قرآن مجید اور اس کی حفاظت

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(۶)

از جناب مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

عہدِ نبوت میں قرآنِ عزیز بلاشبہ سینوں اور کاغذوں میں اسی طرح محفوظ رہا ہے جیسا کہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا اس کے بعد بلا کسی فترۃ کے عہدِ صدیقی شروع ہو جاتا ہے پھر عہدِ فاروقی کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے حفاظ باقی نہیں ہیں بلکہ تعلیم و تعلم اور حفظِ قرآن کے لیل و نہار کے مشغلہ کی وجہ سے یہ نوع بیرون از قیاس و وہم ترقی کرتی جا رہی ہے اور اس کثرت کو پہنچ رہی ہے کہ اب اس کثرت کے اجزاء بھی جداگانہ جداگانہ ایک مستقل تواتر کی حیثیت رکھتے ہیں یہ جو کچھ کہا گیا صرف مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک علمی حقیقت ہے، محدثین نے بڑھتے بڑھتے عدد تواتر ۷۰ اشخاص تک لکھا ہے گو صحیح یہ ہے کہ تواتر کا تحقق اس سے کم بھی ممکن ہے تاہم اگر اس عدد کو بھی تسلیم کر لیا جائے پھر بھی بتائیے کہ دورِ نبوت میں اور اس کے بعد نہ معلوم کتنے صحابہ پے در پے حفاظ موجود تھے، کیا اس تواتر کا کوئی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جس کے اجزاء بھی حد تواتر تک پہنچتے ہوں؟

دورِ اول کے تواتر کے ثابت ہو جانے کے بعد آئندہ ادوار میں اثباتِ تواتر کی ہمیں اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ ثابت شدہ تواتر کا کہیں انقطاع ثابت نہیں ہوتا بلکہ ابھی آپ ملاحظہ کریں گے کہ اس تکوینی تحفظ کے بعد آئندہ ادوار میں کس قدر محکم نظم و نسق کے ساتھ قرآنِ کریم کا تحفظ ہوتا رہا ہے۔

فائدہ سے خالی نہ ہوگا اگر میں عہدِ نبوت کے قرآن کا تھوڑا سا نقشہ آپ کے سامنے رکھدوں ۔

روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت قرآن ادیم، لخاف، عسب اور کتف یعنی چمڑے اور سفید پتھر اور کھجور کی شاخوں اور دست کی ہڈیوں پر لکھا ہوا تھا اور اس وقت تک ان کو صرف صحف کہا جاتا تھا اسی لئے قرآن عزیز میں جب اُس عہد کے قرآن کا ذکر کیا ہے تو ان الفاظ میں کیا ہے رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۔ وحی الٰہی کا قرآنِ کریم کو کہیں کتاب اور کہیں صحف کے عنوان سے یاد کرنا اس امر کی ایک اندرونی شہادت ہے کہ اس وقت بھی قرآن مکتوب موجود تھا اور اسی لئے اس کو کتاب کہکر پکارا گیا ہے، جبتک قرآن صحابہ کے پاس مکتوب نہ ہو اُس وقت تک ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے معلوم ہوا کہ کوئی لکھی ہوئی کتاب ان کے سامنے ضرور موجود تھی جس کو ذٰلک سے مشخص معین کیا جا رہا ہے چونکہ قرآنِ کریم کا مکتوب ہونا ہمارے سامنے ایک تاریخی حقیقت ہے اس لئے معقولی دماغوں کی میر زاہد اور ملا جلال والی تقریروں کا یہاں کوئی وزن نہیں ہے جن کو دور از کار ذہنی تحقیقات کا جذبہ ہو وہ ان کتب میں اسم اشارہ کی تحقیق دیکھ لیں ۔

بہرحال دورِ نبوت میں قرآنِ کریم صحف کے نام سے موسوم تھا اور ابھی تک اس کو مصحف نہیں کہا گیا تھا، حافظ ابن حجرؒ صحف اور مصحف کا فرق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

والفرق بين الصحف والمصحف أن	صحف اور مصحف میں فرق یہ ہے کہ صحف اُن
الصحف الاوراق المجردة التي جمع فيها	اوراق کا نام ہے جن میں قرآن عہد ابوبکرؓ میں
القرآن في عهد ابي بكر وكانت سوراً مفرقة	جمع تھا۔ اس وقت اس کی سورتیں متفرق تھیں
كل سورة مرتبة باياتها على حدة لكن لم	مگر ہر سورت کی آیات مرتب تھیں پھر جب قرآن
يرتب بعضها اثر بعض فلما نسخت و رتب	مرتب کیا گیا اور بعض کو مقدم اور بعض کو موخر رکھا
بعضها اثر بعض صارت مصحفاً (ص۹)	گیا تو مرتب ہو جانے کے بعد اس کو مصحف کہا جانے لگا۔

حافظ کی اس عبارت سے عہدِ نبوت کے قرآن کی کچھ نوعیت متعین ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ ترتیب آیات اس وقت بھی موجود تھی البتہ سورتیں متفرق تھیں اور ان کو مرتب نہیں کیا گیا تھا اس لئے اس جگہ یہ مسئلہ شروع ہو جاتا ہے کہ ترتیب سور توقیفی ہے یا اجتہادی۔ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ توقیفی ہے اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اجتہادی ہے، دونوں اقوال کتب میں مذکور ہیں، متاخرین کا رجحان توقیف کی طرف نظر آتا ہے اور قدماء کی ایک محقق جماعت ترتیبِ اجتہادی کی طرف میلان رکھتی ہے۔

اس بارے میں زیادہ تر معرض بحث حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا مکالمہ ہے جس کا تذکرہ عام طور پر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ جمع قرآن کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس نے سورۂ براءۃ اور سورۂ انفال کی ترتیب کے متعلق سوال فرمایا تو حضرت عثمانؓ نے جو جواب ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی سورتیں بیک وقت نازل ہوا کرتی تھیں جب کوئی جدید آیت اترتی آپ اس کے متعلق خود ارشاد فرما دیتے کہ اس کو فلاں سورۃ میں رکھا جاوے جس میں یہ مضمون مذکور ہے اور اس طرح آیات کی ترتیب آپ کے حکم کے ماتحت ہوا کرتی، لیکن ان دو سورتوں کے متعلق یہ بات پیش آئی کہ یہ دو سورتیں چونکہ بلحاظ مضمون یکساں نظر آتی تھیں اس لئے گمان یہ ہوتا تھا کہ بظاہر یہ دونوں ایک ہی سورۃ ہوں گی مگر چونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحدت کی تصریح نہیں فرمائی تھی اس لئے میں نے محض اپنے ظن و تخمین سے ان کو بالکل ایک سورت کی شکل میں رکھنا پسند نہیں کیا اور کھلے طور پر دو سورتیں بھی نہیں بنائیں۔ بلکہ صورت یہ کی کہ ہر دو سورتوں کو متصل رکھدیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی، مبادا کہیں بسم اللہ لکھدینے سے تعدد سورت پر نص نہ ہو جائے جو وحدۃ قصہ کے منافی تھا اور اگر بالکل ایک ہی سورت بنا دیتا تو حضرت رسالت سے اس کی تصریح نہ تھی اس لئے ان دو سورتوں کا معاملہ دوسری سورتوں سے ذرا ممتاز رہا۔ اس مکالمہ سے متعدد نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) جمع عثمانی میں نفس قرآن کے متعلق کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔

نتیجہ (الف) لہٰذا ثابت ہوا کہ اُس زمانہ تک قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہوسکی تھی نہ بالزیادۃ نہ بالنقصان (ب) یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک معوذتین کو بالاتفاق قرآن کا جزء سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس سلسلہ میں کسی معاند یا غیر معاند کا کوئی سوال منقول نہیں ہے۔

(۲) ترتیب عثمانی میں اگر اس وقت کوئی سوال پیش آیا ہے تو صرف ترتیبِ انفال و براءۃ کے متعلق اور سورتوں کے متعلق ترتیب کا کبھی کوئی سوال نہ تھا۔

(۳) ان دو سورتوں کی ترتیب میں بھی حضرت عثمانؓ نے صرف اسی قدر تصرف کیا تھا جو بدایۃً ثابت تھا اور جس امر میں لسانِ نبوت سے استخراج کی حاجت تھی اس سے پھر بھی سکوت فرمایا، اس سے ان کی احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔

(۴) مسئلہ ترتیب میں ابنِ عباسؓ کو کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ وہ صرف اس ترتیب کے رمز پر مطلع ہونا چاہتے تھے

(۵) حضرت ابنِ عباسؓ کے حضرت عثمانؓ کے جواب پر سکوت فرمانے اور آئندہ گفت و شنید کا کوئی سلسلہ جاری نہ رکھنے سے ان کی رضامندی کا پتہ چلتا ہے۔

(۶) جس مسئلہ پر گفتگو تھی وہ چنداں مہم نہ تھا بلکہ محض اجتہادی تھا اسی لئے نہ عام طور پر اس کا کوئی سوال کیا گیا اور نہ عثمانؓ کے جواب پر بعد میں کسی نے تعقب کیا۔

جمع عثمانی پر جن متعصبین نے آنکھیں بند کر کے اعتراضات کئے ہیں انھیں ان نتائج پر بالخصوص غور کرنا چاہئے۔ اس وقت تو ہمارے پیشِ نظر صرف یہ نقطہ ہے کہ اس مکالمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترتیب سور میں اجتہاد کا دخل ضرور تھا۔ اسی لئے ابنِ عباس نے یہ سوال نہیں فرمایا کہ آپ نے ایک امر توقیفی میں اجتہاد کیسے کیا بلکہ ایک جائز اجتہاد کی حکمت دریافت فرمائی تھی۔ اگر ترتیب سور توقیفی ہوتی تو حضرت عثمانؓ نے جو جواب دیا تھا وہ اور زیادہ الجھن میں ڈالنے والا ہوتا، کیونکہ اس میں ترتیب سور کے اجتہادی ہونے کا اقرار موجود تھا۔

بعض مصنفین نے ازراہِ بہی خواہی یہ سمجھا ہے کہ قرآن کے محفوظ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں کسی اعتبار سے بھی اجتہاد کو دخل نہ تھا اور اپنے اس مزعوم دعویٰ تحفظ کی حمایت میں اس صریح روایت کا انکار کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ فضائل القرآن ص۱۸ لابن کثیر)

اور بعض نے ایسی رکیک تاویلات کی ہیں جو کسی طرح دلپذیر نہیں کہی جا سکتیں اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ جو اقوالِ علماء اس کے برخلاف کتب میں موجود تھے اس کا قصداً اخفار کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم بھی نہ ہو سکے کہ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی خلاف بھی ہے، ہمارے نزدیک ضروری ہے کہ موافق اور مخالف نقول سب کو انصاف کے ساتھ سامنے کر دیا جائے تاکہ جو صحیح نتیجہ ہے وہ بآسانی اخذ کیا جا سکے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ اتقان میں فرماتے ہیں۔ واما ترتیب السور فھل ھو توقیفی ایضاً او ھو باجتھاد من الصحابۃ خلاف فجمھور العلماء علی الثانی منھم مالک والقاضی ابوبکر فی احد قولیہ سیوطیؒ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ترتیب سور امام مالکؒ کے نزدیک اجتہادی ہے۔ مگر قرطبی ص۲ فرماتے ہیں، عن ابن وھب قال سمعت مالکاً یقول انما الف القراٰن علی ما کانوا یسمعونہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں اس کا عکس نقل فرماتے ہیں۔ اعلم ان ترتیب ایۃ وسورۃ بتوقیف من النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما ترتیب الای فکونہ توقیفیاً مما لاشبھۃ فیہ حتی نقل جمعٌ۔ منھم الزرکشی وابو جعفر الاجماع علیہ من غیر خلاف بین المسلمین . . . . واما ترتیب السور ففی کونہ اجتھادیاً او توقیفیاً خلاف والجمھور علی الثانی۔ شیخ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب کے متعلق اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اجتہادی ہے اور سید آلوسیؒ کے بیان سے ظاہر ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک توقیفی ہے

حافظ ابن کثیرؒ فضائل القرآن ص۱۵ پر فرماتے ہیں واما ترتیب السور فمن امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ۔ پھر فرماتے ہیں واما ترتیب السور فمستحب اقتداء بعثمانؓ۔ پھر ص۲۹ پر فرماتے ہیں . . . والظاھر ان ترتیب السور منہ ما ھو راجع الی رأی عثمان وذلک ظاھر فی سؤال ابن عباس لہ عن ترکہ

البسملۃ فی اول براءۃ وذکرہ الانفال من الطوال۔ والحدیث فی الترمذی وغیرہ باسناد جید قوی

امام قرطبی ابن الانباری سے نقل فرماتے ہیں۔ وذکر ابن الانباری فی کتاب الرد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اتساق السور کاتساق الآیات والحروف فکلہ عن محمد خاتم النبیین علیہ السلام عن رب العالمین فمن اخر سورۃ مقدمۃ او قدم اخری مؤخرۃ فھو کمن افسد نظم الآیات وغیر الحروف والکلمات۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ اتقان میں نقل فرماتے ہیں۔ قال ابو جعفر النحاس المختار ان تالیف السور علی ھذا الترتیب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں کہ الصحابۃ جمعوا بین الدفتین القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی رسولہ فکتبوہ کما سمعوہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۔ ۔ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلقن اصحابہ ویعلمھم ما انزل علیہ من القرآن علی الترتیب الذی ھو الآن فی مصاحفنا۔

ابن الحصار کا قول ہے کہ وترتیب السور ووضع الآیات موضعھا انما کان بالوحی۔

علامہ آلوسیؒ کرمانی سے نقل کرتے ہیں۔ ترتیب السور ھکذا ھو عند اللہ تعالیٰ فی اللوح المحفوظ وعلیہ کان رسول اللہ علیہ وسلم یعرض علی جبرئیل کل سنۃ ما کان یجتمع عندہ منہ۔

اسی لئے امام بیہقی نے اس اختلاف سے متاثر ہو کر ایک تیسرا راستہ اختیار کیا ہے۔ قال فی المدخل کان القرآن علی عھد النبی صلے اللہ علیہ وسلم مرتبا سورہ وآیاتہ علی ھذا الترتیب الا الانفال وبراءۃ۔ گویا ان کے نزدیک بعض کی ترتیب توقیفی اور بعض کی اجتہادی ہو سکتی ہے۔

ابن عطیہ کا قدم ذرا اور آگے بڑھا ہے وہ فرماتے ہیں ان کثیرا من السور کان قد علم ترتیبھا فی حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم کالسبع الطوال۔ والحوامیم۔ والمفصل وان ما سوی ذلک یمکن ان یکون قد فوض الامر فیہ الی الامۃ بعدہ۔

ان مختلف اقوال پر نظر ڈالنے کے بعد جس نتیجہ پر میں پہنچ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ جو جماعت

ترتیبِ سور کے توقیفی ہونے کی مدعی ہے اس کے پاس بڑی دلیل یہ ہے کہ جب قرآن کریم عہدِ نبوت میں پڑھا اور پڑھایا جارہا تھا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا دور فرمایا کرتے تھے اور صحابہ میں بہت سے افراد ایسے بھی تھے جو حسبِ مقدرت ایک یا ایک سے زیادہ دن میں قرآن ختم کرلیتے تھے تو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ان کی قرأت میں کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ جس طرح جس کا دل چاہتا تھا پڑھ لیتا تھا یقیناً جس ترتیب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود دور فرماتے ہوں گے وہی آپ نے صحابہ کو بتلائی ہوگی اور بالیقین وہی ترتیب صحابہ کرام میں رائج ہوگی۔ عقل ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کرسکتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دور میں کوئی ترتیب نہ ہو، یا اگر آپ کے دور میں کوئی ترتیب ہو تو آپ نے اپنے اصحاب کو اس کی تعلیم نہ کی ہو، یا اگر آپ نے اس کی تعلیم کی ہو تو آپ کے صحابہ نے اس کا خلاف کیا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ایک حد تک یہ استدلال صحیح اور قرینِ قیاس بھی ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے بھی ترتیبِ سور کے توقیفی ہونے پر صحابہؓ کی قرارت میں ترتیب کو دلیل قرار دیا ہے۔ وممایدل علی ان ترتیبھا توقیفی ما اخرجہ احمد وابوداؤد عن اوس بن ابی اوس عن حذیفۃ الثقفی ..... فسألنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا کیف تحزبون القرآن قالوا نحزبہ ثلاث سور وخمس سور وسبع سور وتسع سور واحدی عشرۃ و ثلاث عشرۃ وحزب المفصل من ق حتی نختم۔

اس روایت میں صحابہ کرام کے ختم قرآن کا جو معمول بیان ہوا ہے وہ ہمارے موجودہ قرآنی ترتیب کے بالکل برابر ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ جو ترتیب آج ہمارے قرآن کی ہے یہی صحابہ کے مابین رائج تھی اور اسی لئے ان کا شب میں قرارۃ کا معمول ہماری ترتیب کے موافق تھا۔ اپنی جگہ یہ سب کچھ درست ہے مگر عام طور پر اس کا پتہ نہیں ملتا کہ اپنی جانب سے صاحبِ نبوتؐ نے قولاً بھی ان سورتوں کے متعلق کوئی ترتیب مقرر فرمائی تھی ہاں آیات کے متعلق احادیث میں بالصراحۃ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وضع و ترتیب آپ کے حکم کے ماتحت ہوا کرتی تھی اگر ترتیبِ سور بھی توقیفی ہوتی تو یقیناً جس طرح آیات کی ترتیب

کی ہدایت کی جاتی رہی ہے اسی طور پر سورتوں کی ترتیب کی ہدایت بھی کی جاتی اور اگر ایسا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ترتیب سور کے مسئلہ میں آئندہ کوئی اختلاف رونما ہو سکتا۔

ترتیب آیات میں توقیف پر اجماع ہو جانا اور ترتیب سور میں یہ عظیم الشان اختلاف اس امر پر کھلی شہادت ہے کہ دونوں ترتیب کی نوعیت میں ضرور کوئی تفاوت تھا۔ موجودہ تالیفؑ چونکہ تالیفِ عثمانی کہلاتی ہے اس لئے خود اُن کا تنہا بیان ترتیب سور کے اجتہادی ہونے کے متعلق فیصلہ کن ہے امام بیہقی اور حضرات کا یہ فرمانا کہ انفال اور براءۃ میں ترتیب تو اجتہادی ہے اور بقیہ سور میں توقیفی ذرا قابل غور ہے۔ بالخصوص جبکہ سید آلوسیؒ اپنی تفسیر میں یہ نقل فرمارہے ہیں۔ اخرج النحاس فی ناسخہ قال کانت الانفال وبراءۃ یدعیان فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرینتین فلذلک جعلتھا فی السبع الطوال۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان دو سورتوں کی ترتیب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسی طرح معروف تھی جیسا کہ اور سورتوں کی لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اور سورتوں کی ترتیب تو توقیفی کہی جاوے اور ان دو سورتوں کی اجتہادی۔

جن حضرات نے توقیف پر زور دیا ہے ان کا زیادہ تر منشا ردِّ روافض ہے لہٰذا ان کے مقابلہ میں جو نفس قرآن کی محفوظیت کے بھی منکر ہوں یہی مناسب تھا کہ اس کے ہر ہر جزکی محفوظیت کا دعویٰ کیا جاوے حتیٰ کہ ترتیب سور کے متعلق بھی اسی پر زور دیا جاوے کہ وہ بھی جیسا پہلے تھی ویسی ہی اب ہے۔

گو میں بھی یہی چاہتا تھا اور یہی کہتا تھا کہ ترتیب سور بھی توقیفی ہونی چاہئے جیسا کہ ترتیب آیات ہے مگر علما کے اس اختلاف سے متاثر تھا اور سوچتا تھا کہ اگر ترتیب سور توقیفی کہتا ہوں تو حضرت عثمانؓ کے بیان کی کیا تاویل کروں گا اور جو علما کہ ترتیب اجتہادی فرماتے ہیں ان کے قول کا کیا محمل بتلاؤں گا۔ اسی سوچ میں یہ خیال ہوا کہ ان ہر دو جماعت میں جو نزاع منقول ہو رہا ہے درحقیقت یہ نزاع لفظی ہے ورنہ دراصل کوئی نزاع ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جو جماعت توقیفی کہتی ہے بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کی قراءۃ سے ثابت ہے امت کے لئے لازم ہے کہ اس کی اتباع کرے مگر

ؑ فاضل مضمون نگار نے تالیف سے مراد ترتیب لی ہے۔ اس لئے کسی کو اس لفظ سے مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے۔

جو جماعت اجتہادی ہونے کی مدعی ہے بظاہر وہ اس کی تو منکر نہیں ہے کہ آپ کے عمل میں کوئی ترتیب ثابت ہو لیکن اس کی نظر اس طرف ہے کہ صاحبِ شریعت نے چونکہ از خود ترتیب سور کے متعلق کوئی قولی ہدایت نہیں دی اس لئے آئندہ اجتہاد کی گنجائش باقی رہنی چاہئے۔ اب اگر حضرت عثمان غنیؓ کسی ترتیب مخصوص کے علم کے باوجود کوئی جدید ترتیب اختیار فرما لیتے جب بھی گنجایش نکل سکتی تھی۔ چہ جائے کہ جب کوئی علم بھی نہ ہو اور پھر جو ترتیب دیں وہ عقل کے مطابق ہو اور تمام صحابہ اس پر موافقت بھی فرما دیں لہٰذا اب اس اختلاف کی تنقیح یوں کرنی چاہئے کہ ترتیب سور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہو چکی تھی، کیونکہ قرآن اس وقت بھی مرتب پڑھا جاتا تھا، مرتب ہی اس کا دور ہوتا تھا مگر صاحب نبوت نے جس طرح کہ آیات کی ترتیب کے متعلق وقتاً فوقتاً ہدایات صادر فرمائی تھیں (حتیٰ کہ کوئی آیت بلا آپ کے ارشاد کے کسی جگہ نہیں رکھی گئی)۔ اسی طرح سورتوں کے متعلق آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کوئی ارشاد نہیں فرمایا۔ لہٰذا آپ کے اس سکوت سے ایک جماعت نے یہ فائدہ اٹھایا کہ یہ ترتیب اجتہادی ہونی چاہئے اور اسی لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے خیال کے مطابق ایک عمدہ ترتیب دیدی جس پر صحابہؓ نے موافقت کی اور دوسری جماعت نے آپ کی علمی ترتیب کو دیکھکر اس کی توقیف کا حکم کیا لہٰذا درحقیقت دونوں جماعتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سورتوں میں علمی ترتیب پر دونوں متفق ہیں صرف نتیجہ میں اختلاف ہے کہ کیا اس علمی ترتیب سے اس کا توقیفی ہونا ثابت ہوتا ہے یا اجتہادی۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ایک سورت کی مثال ایک مضمون کی سی ہے جو مختلف ہدایات پر مشتمل ہو لہٰذا عقل اسی کی مقتضی ہے کہ جس طرح ایک مقالہ میں ترتیب کا لحاظ ضرور ہوتا ہے اسی طرح ایک سورت بھی اپنے آیات کے لحاظ سے مرتب ہونی چاہئے۔ اگر اُن آیات میں کوئی ترتیب نہ تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کی ترتیب نزول کی ترتیب پر نہ رکھی گئی اور کیوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں نازل شدہ آیات کو کبھی کبھی اول نازل شدہ سورتوں میں رکھنے کی ہدایات فرماتے رہے معلوم ہوا کہ

ہر آیت کا اپنی سورت کے ساتھ ضرور کوئی خاص معنوی ربط تھا جس کے ماتحت زمانہ نزول کے متعدد ہونے کے باوجود اس کو اپنی جگہ رکھنا ضروری تھا مگر سورتوں کی مثال ایک مقالہ کی مثال نہیں ہے بلکہ مقالات کی مثال ہے اس میں شبہ نہیں کہ اگر متعدد مقالات کے مابین بھی کسی خاص ترتیب کا لحاظ رکھا جاوے تو بہتر ہے مگر یہ ربط یہاں اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ ایک مقالہ کے مضمون میں۔ اگر یہ فرق آپ کے نزدیک درست ہو تو پھر ترتیب آیات کے توقیفی اور ترتیب سور کے اجتہادی ہونے کا مسئلہ آپ بآسانی سمجھ سکتے ہیں اور یہ بھی بخوبی حل ہو سکتا ہے کہ سور قرآنیہ میں علمی ترتیب کے باوجود پھر اجتہادی کہنے کی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں۔

اگر آپ کا وجدان اجازت دے تو اس پر بھی ذرا غور فرمایئے کہ اگر آیات کی ترتیب بھی اجتہادی کہی جائے تو کیا پھر قرآن کو کتاب کہا جا سکتا ہے یا پھر اس کی حقیقت صرف چند متفرق جملے ہوں گے جن کو جو چاہے جس طرح جہاں رکھ لے ہر شخص کے ہاتھ میں ایک نیا قرآن ہوگا اور بسا اوقات آیات کو بے محل رکھنے سے ایک نئے نئے معنی پیدا ہو جائیں گے اور بہت سی جگہ حسن لفظی و معنوی فوت جائیگا۔ کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم میں بہت سے قصے بغرض عبرت مکرر بیان فرمائے گئے ہیں اور کہیں کہیں احکام کی آیات میں بھی تکرار موجود ہے گو بہت قلیل ہی اگر ان قصص کو ایک جگہ رکھدیا جاوے تو کیا جو حلاوت موجودہ ترتیب میں ہے وہ قائم رہ سکتی ہے ہرگز نہیں۔ موجودہ ترتیب میں جو قصہ جہاں بیان ہوا ہے وہ مکرر ہونے کے باوجود ایسے منظم سیاق میں مذکور ہے کہ ہر جگہ نیا لطف دیتا ہے اور ہر سورت میں ایک نئی عبرت اور نئی حقیقت کا مظہر ہے اس لئے ضروری ہے کہ ترتیب آیات کو توقیفی کہا جائے، ہاں ترتیب سور میں البتہ گنجائش نکل سکتی ہے وہ مختلف مقالات ہیں۔ ان میں مختلف ربط بآسانی قائم کیا جا سکتا ہے۔ موجود مصنفین نے جو ربط مابین السور کا ذکر فرمایا ہے یہ ان کا طبعزاد ہے اگر اس ترتیب کے سوا کوئی دوسری ترتیب قائم کی جائے تو اس کے لئے دوسرا ربط تراشنا علماء کے نزدیک کچھ مشکل نہیں۔ بلکہ اگر آپ غور فرمائیں تو حضرت ابن عباسؓ کو داعیہ سوال ہی

انفال و براۃ کی ترتیب میں بظاہر ایک بے ربطی ہے کیونکہ سورۃ انفال ایک چھوٹی سورت ہے اور براۃ ایک بڑی سورت ان دونوں کو ایک ترتیب میں رکھدینا بظاہر غیر مربوط نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو روح المعانی، سورۃ انفال، وانفطار۔

اس بیان سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ سور قرآنیہ میں کوئی ترتیب ہی نہیں، بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ سور قرآنیہ میں ایسا ربط نہیں ہے جس کے فوت ہوجانے سے حقیقت قرآنیہ بدل جائے برخلاف ترتیب آیات کے کہ اس کی تبدیلی سے حقیقتِ قرآنیہ بدل جاتی ہے۔ میرے اس بیان کی تصدیق آپ کو ایک فقہی مسئلہ سے ہوسکتی ہے حنفیہ کے نزدیک فرائض میں سورتوں کی ترتیب رکھنا لازم ہے یعنی جو سورت مقدم ہے اس کو رکعت اولیٰ میں اور جو موخر ہے اس کو رکعتِ ثانیہ میں پڑھا جائے اور اس کے برخلاف پڑھنے کو پسند نہیں فرماتے مگر نوافل میں امر موسع ہے معلوم ہوا کہ ہمارے فقہاء اس حقیقت کو سمجھ گئے ہیں کہ قرآن میں سور کی ترتیب گو لازمی نہ سہی مگر مستحسن ضرور ہے اس لئے فرائض میں جن کا معاملہ ذرا اہم ہے ترتیب موجودہ کا لحاظ رکھنا لازم سمجھتے ہیں۔ رہ گئے نوافل تو اس میں بہت کچھ توسع کی گنجائش ہے لہذا یہ پابندی بھی نوافل میں چنداں ضروری نہیں ہے۔

اسی لئے حافظ ابن کثیرؒ فرماگئے ہیں کہ واما ترتیب السور فمستحب الخ اگر کہیں سور کی ترتیب میں بھی کوئی معنوی ربط ایسا ہوتا جیسا کہ آیات میں ہے تو فرائض و نوافل میں یکساں ان کی ترتیب بھی لازمی قرار دیدی جاتی۔ میرے اس بیان سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آیات کی بے ترتیبی درحقیقت قرآن کی تحریف کے مرادف ہے مگر سورتوں کی تقدیم و تاخیر سے ہرگز تحریف قرآن ثابت نہیں ہوسکتی اور نہ اس مسئلہ کا تحفظ قرآن کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہے۔ آخر کون نہیں جانتا کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابیؓ کے مصاحف میں سور کی ترتیب مصحف عثمانی کی ترتیب کے بہت مخالف تھی۔ اب دبی زبان سے یہ کہنا کہ گو ان مصاحف کی ترتیب میں اختلاف تو تھا مگر وہ چنداں مہم نہ تھا بلکہ بہت قلیل سا اختلاف تھا کیا مفید

ہوسکتا ہے بھلا ترتیب سور کو اگر توقیفی کہا جاوے تو پھر قلیل سا اور کثیر سا اختلاف اعتراض کیلئے دونوں برابر ہیں، علاوہ ازیں یہ بھی صحیح نہیں کہ قلیل اختلاف تھا بلکہ نہایت کافی اختلاف موجود تھا جس کی تفصیل یہاں موجب تطویل ہے۔ اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ اقرب یہی ہے کہ ترتیب سور کو اجتہادی کہا جائے، اب اگر یہ دعوٰی کیا جائے کہ جن حضرات کے مصحف کی ترتیب مصحفِ عثمانی کی ترتیب کے مخالف تھی انھوں نے بعد میں رجوع کر کے مصحفِ عثمانی کی تقلید کر لی تھی تو اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔ کہ فی الواقع عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابیؓ نے بعد کے مصاحف علی ترتیب "المصحف العثمانی" ہی لکھے تھے ورنہ جو مصاحف ان کے آجتک منقول ہوئے ہیں فیصلہ ان ہی کی روشنی میں ہوگا۔

الغرض ترتیب سور میں اگر اختلاف ہے تو اس سے حفاظتِ قرآنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جبکہ قرآن یکجا جمع بھی نہ تھا جب اس وقت قرآن محفوظ رہا تو بعد میں جبکہ یکجا جمع ہو گیا تھا اگر سورتوں کی ترتیب میں کچھ اختلاف رہے تو بھلا کیا اس کی حفاظت میں خلل ہو سکتا ہے۔ ذرا یہ بھی تو غور کیجئے کہ اب اس اختلاف کا ثمرہ کچھ خارج میں بھی نکلتا ہے یا صرف ذہنی ہی ذہنی ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس اختلاف کا نتیجہ محض ایک ذہنی امر ہے کیونکہ جب سے مصحفِ عثمانی مرتب ہوا ہے ہمیشہ مصاحف اسی ترتیب سے چھپا کئے حتیٰ کہ رسم الخط میں بھی اسی کی اتباع جاری رہی خارج میں ترتیب کی پابندی اسی طرح قائم رہی جیسا کہ ترتیب توقیفی ہونے کی صورت میں ہوتی، ہاں صرف اس نظر میں اختلاف رہا کہ اس کو توقیف پر محمول کیا جائے یا نہیں۔ اب بھلا اس ذہنی حکم سے تحریفِ قرآن کو کیا تعلق رہ جاتا ہے رہ گیا صحابہ کے درمیان اختلاف تو ترتیب سور میں ان کا کتنا بھی اختلاف سہی مگر جبکہ ہر ہر آیت اپنی اپنی جگہ ان کے سینوں میں ہار کے موتیوں کی طرح مرتب موجود تھی تو اُس اختلاف سے بھی مسئلہ تحریف کو کوئی مدد نہیں ملتی اور اگر کوئی مدد ملتی ہے تو پھر اس کا جواب شافی دینا آپ کا فرض ہوگا لہٰذا ان تاثرات کے ماتحت ترتیبِ قرآن کو توقیفی کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے ہاں اگر صاحبِ شریعت

یہ چیز ثابت ہو جائے تو بلا شبہ علی الراس والعین اس کو سر اور آنکھوں پر رکھا جائیگا۔

جبکہ میں برہان کے لئے یہ مقالہ سپرد قلم کر رہا تھا تو اس مسئلہ پر پہنچکر سخت متحیر تھا کہ ترتیب قرآنی میں اختلافِ علماء کو کس طرح سلجھاؤں اور اپنی اس ذاتی رائے کو کس طرح قارئین کرام کے سامنے پیش کروں جب تک کہ اس کی پشت پر معتبر علماء کے نقول کی طاقت نہ حاصل کرلوں مگر اپنی مصروفیتوں میں جب کوئی نقل نہ مل سکی تو بادلِ ناخواستہ ان سطور کو حوالۂ قلم کر دیا۔ میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ اسی مایوسی میں بلا ارادہ اتقان میں ایک بڑے عالم کی نقل مجھے دستیاب ہوگئی اور اب میں زیادہ قوت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس نزاع کی اتنی ہی حقیقت ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی وللہ الحمد۔

شیخ زرکشی برہان میں فرماتے ہیں۔

والخلاف بین الفریقین لفظی	درحقیقت دونوں فریق میں نزاع لفظی ہے اور
فآل الخلاف الی ان ھل ھو بتوقیف	خلاصہ خلاف کا یہ ہے کہ ترتیب سور نبی کریم صلی اللہ
قولٍ او بمجرد اسناد فعلی بحیث یبقی لھم	علیہ وسلم کے قول سے ہوئی ہے یا صرف اس کے
فیہ مجال للنظر۔ وسبقہ الی ذلک	لئے فعل سند ہے۔ اگر صرف فعل سے ترتیب ثابت ہو
ابو جعفر ابن الزبیر۔	تو پھر نظر کے لئے بہت کچھ گنجائش ہے۔

شیخ جلال الدینؒ فرماتے ہیں کہ زرکشی سے پہلے ابو جعفر بن الزبیر کی بھی اس مسئلہ کے متعلق یہی رائے تھی حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے مابین جو مکالمہ آپ نے سنا اگر وہ اسی حقیقت پر مبنی ہو جب تو بات ظاہر ہے اور اگر ترتیب توقیفی ٹھیرے جیسا کہ سید محمد آلوسیؒ نے اختیار کی تو پھر جو توجیہ خود انھوں نے ذکر فرمائی ہے اس سے زیادہ خوبصورت توجیہ اس روایت کی نہیں ہو سکتی۔

شیخ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس مکالمہ کا تعلق اس تالیف سے کچھ نہیں ہے جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں واقع ہوئی بلکہ جو ترتیب کہ عہدِ نبوۃ میں ہو چکی تھی چونکہ اسی ترتیب میں انفال و براءۃ کو ساتھ

رکھا گیا تھا اس لئے اسی ترتیب کے متعلق سوال ہے اور چونکہ یہی ترتیب حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے مصحف میں قائم رکھی تھی لہذا یہی اس سوال وجواب کے زیادہ تر مستحق ہو سکتے تھے، حاصل سوال صرف اس قدر تھا کہ ان سبع طوال یعنی بڑی سورتوں میں انفال برأۃ کے ساتھ کیسے رکھدی گئی پھر ہر سورت کی ابتداء میں جو بسم اللہ لکھنے کا طریق تھا وہ بھی یہاں نظر انداز کیا گیا اس کی کیا حکمت ہے۔ ظاہر ہے کہ جب زمانہ نبوت میں بھی ان سورتوں کو اسی ترتیب سے پڑھا جا رہا ہو تو پھر اس سوال کو زمانہ عثمانی کی تالیف سے کیا خصوصیت رہ جاتی ہے بالخصوص جبکہ ابو جعفر نحاس خود حضرت عثمانؓ ہی سے یہ نقل فرماتے ہوں۔

کانت الانفال وبراءۃ یدعیان فی	چونکہ انفال وبرأۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	زمانہ ہی میں قرینتین (یعنی پاس پاس کی سورتیں)
القرینتین فلذلک جعلتھا فی	کہلاتی تھیں اس لئے میں نے ان دونوں سورتوں
السبع الطوال۔	کو پاس پاس ہی رکھا۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ ان دو سورتوں کی ترتیب بھی اُسی عہد میں معروف ہو چکی تھی، مگر حضرت عثمانؓ کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ کیا جائے وہ صاحبِ نبوت کے امر کے ماتحت ہونا چاہئے اور اور سورتیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں مکمل ہو کر مرتب ہو چکی تھیں لہذا ان کی ترتیب تو بالیقین اسی طرح ہونی چاہئے مگر برأۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عہد میں اتری اور سورۂ انفال ابتدا میں نازل ہوئی اس لئے ان کے مضامین کے اشتراک اور قرینتین سے مشہور ہونے کی وجہ سے گمان تو یہی ہوا کہ یہ دونوں سورتیں پاس پاس لکھی جانی چاہئیں جیسا کہ عہدِ نبوت میں قرارۃ میں برابر تھیں لیکن کتابت کی ترتیب چونکہ اس زمانہ میں نہ ہونے پائی تھی اور اب تالیف وکتابت کا زمانہ تھا اس لئے اب تأمل ہوا، کہ کیا کتابت میں بھی اس چھوٹی سورت کو بڑی سورت کے ساتھ ہی رکھا جائے جیسا کہ تلاوت میں ان کو یکے بعد دیگرے پڑھا جاتا تھا یا بالکل علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے، دوسری مشکل یہ کہ سورۂ برأۃ سے پہلے بسم اللہ کا نزول

نہ ہوا تھا اس لئے یہ ایک مستقل تردد تھا کہ سورۃ کا ختم نزول بسم اللہ کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا اور بسم اللہ براءۃ سے قبل اتری نہیں اس لئے ان ہر دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ لکھی جائے یا نہ لکھی جائے حضرت عثمانؓ کے جواب میں صرف ان ہی ترددات کا بیان ہے اور فقبض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ولم یبین لنا انھا منھا کا یہی مطلب ہے کہ براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم یہ عقدہ حل نہ کر سکا بلکہ وہی ترتیب جو قراءۃ میں دیکھ چکا تھا وہی شہرت جو قرینتین کے عنوان سے سن چکا تھا اس کا داعی ہوگئیں کہ جیسا تلاوت میں ان کی ترتیب تھی باوجود ان کے چھوٹے بڑے ہونے کے کتابت میں بھی پاس پاس رکھدوں اور صرف محض اپنے ظن سے بسم اللہ نہ لکھوں اس روایت سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ نے کوئی جدید ترتیب اپنی جانب سے دی تھی نہ حضرت ابن عباسؓ کا سوال اس سے متعلق ہے بلکہ صاف مطلب یہ تھا کہ جمع مصحف کا کام چونکہ ان کے زمانہ میں انجام پایا ہے لہذا ابن عباسؓ نے ترتیب معروف کا سوال ان سے ہی فرمایا اور اس سوال میں بھی صرف اس کی حکمت دریافت کرنی منظور تھی اور بس۔

خلاصہ یہ کہ جواب کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ جس قدر قطعیت سے عثمان غنیؓ کو دیگر سورتوں کی ترتیب کا علم ہو چکا تھا اتنی وضاحت سے ان دو سورتوں کے متعلق علم نہ تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ سورۂ براءۃ چونکہ آخر میں اتری اس لئے اس کے بہت سے متعلقات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست طے نہیں کئے گئے حضرت عثمانؓ کا یہ کلمہ بالکل حضرت عمرؓ کے اُس بیان کے موافق ہے جو ربوا کے متعلق فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے ولم یبین لنا باب الربوا۔ حالانکہ علما جانتے ہیں کہ ربوا کے متعلق کس قدر احادیث صاحب شریعت سے ثابت ہو چکی ہیں مگر ہر علم کا شیدائی کبھی علم سے اپنی سیرابی ظاہر نہیں کر سکتا۔ منھومان لا یشبعان کتنا ہی بیان ہو جائے مگر آخر کار ایک سچے طالب علم کی زبان سے ھل من مزید ہی نکلتا رہیگا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی صرف اپنے قلبی شکوک و اوہام کو جو جمع قرآنِ کریم جیسی اہم ذمہ داری کے وقت ان کو گھیرے

ہوئے تھے بیان فرمایا ہے ورنہ کون شخص جس میں عقل کا کوئی ذرہ ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ عثمان غنیؓ ان حفاظ میں ہو کر جو عہدِ نبوت میں قرآن کریم ختم کر چکے ہوں پھر یہ معلوم نہ کر سکیں کہ انفال و براءۃ کا محل کہاں ہے اور اگر فرض کر لو کہ حضرت عثمانؓ نے یہ ترتیب اپنی رائے سے ہی دیدی تھی تو پھر بھی یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ترتیب پہلی ترتیب کے کوئی مخالف تھی بلکہ جو ان کی رائے تھی وہ بفضلہ تعالیٰ عین واقع کے موافق تھی، آخر حضرت عمرؓ کی بھی تو بہت رائیں ہی تھیں جن کی موافقت میں وحی الٰہی اترتی تھی اور جن کو اب موافقاتِ عمرؓ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیا اگر اس ترتیب کو موافقات عثمانؓ کی فہرست میں درج کر دیا جائے تو کیا استبعاد ہے۔ کیا اس استبعاد سے یہ استبعاد کم ہے کہ حضرت عثمانؓ اگر والعیاذ باللہ عمداً صحابہ میں رائج ترتیب کے خلاف ترتیب دیدیتے ہیں تو سب صحابہ اس پر سکوت فرما کر اس کی اتباع پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جن صحابہ کے متعلق روایات سے ثابت ہے کہ ان کا باہمی اختلافِ احرف موجبِ تکفیر و تفسیق ہو جائے آج کہاں سے ان کے منہ پر مہر سکوت لگ سکتی ہے۔ حاشا ثم کلا

یہ صرف ذہنی سوالات ہیں جیسا کہ ایک طالب علم اپنے استاد سے شریعت کے اسرار و حکم کے متعلق کر سکتا ہے اور وہی ذہنی جوابات ہیں جو ایک استاد اپنے شاگرد کو دیا کرتا ہے شریعت دونوں کے نزدیک اپنی جگہ رہتی ہے۔ اس سوال و جواب کے سلسلہ سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ سائل یا مجیب کو درحقیقت شریعت میں کوئی تردد لاحق ہے۔ اس جگہ صاحب روح المعانی کا بیان ذرا مجمل اور مغلق ہے۔ بعض اصحاب تصانیف اس کو پورا سمجھ نہیں سکے اس لئے حقیر نے بقدر اپنی فہم کے اس کو قصداً زیادہ واضح کیا ہے واللہ اعلم وہو الملہم للصواب۔

(باقی آئندہ)